© rasailojaraid.com

سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام

سید کاظم نقوی، ریڈر شعبہ دینیات شیعہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۳)

اشتراکیت اور مارکسیت

کمیونزم اشتراکیت کی قسموں میں سب سے مشہور ہے۔ اس کی پوری عمارت "مادیت جدلی" (MATERLISTIC DIALECTICS) کے اصول اور نظریات پر تیار کی گئی ہے۔ باخبر اشخاص جانتے ہیں کہ یہ نظریات کارل مارکس اور اس کے رفقاء کار کے قیمتی اور قابل قدر، طویل غور و خوض کا نتیجہ نہیں ہیں۔ انھوں نے تاریخ، سماجیات اور اقتصادیات پر صرف ان کو منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔

فی الحال مختصر طور سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مارکسی نظام انسان کے سماجی اور مشکلات کو نہیں حل کر سکا۔ اس نے مرض کی صحیح تشخیص نہیں کی، اسی لیے وہ صحیح دوا تجویز نہیں کر سکا۔

نظام مارکسی کے مندرجۂ ذیل خصوصیات ہیں:

۱۔ شخصی ملکیت کا خاتمہ

شخصی ملکیت کو بالکل ختم کر کے تمام دولت قوم کی ملکیت قرار دیدینا چاہئے۔ حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ قوم کی نمائندہ ہے لہٰذا دولت اس کے سپرد کردی جائے گی یہی قوم کے سود و بہبود کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں تصرف کرے گی۔ کمیونزم کے حامیوں کا کہنا ہے کہ سرمایہ داری کے دور میں انسانیت کو شخصی ملکیت کے جن تلخ نتائج سے دوچار ہونا پڑا وہ ہر شخص کے سامنے ہیں۔ ان سے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ حق مالکیت افراد سے چھین کر حکومت کو دیدیا جائے۔ اس کا مقصد طبقاتی تفریق مٹا کر پوری قوم کو ایک طبقہ کی شکل میں تبدیل کرنا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے لئے اس کا موقع نہیں رہے گا کہ ہر قسم کے جائز اور ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹیں۔ اپنے شخصی فائدے کی خاطر دوسروں کا خون چوسیں۔

۲۔ کارکردگی کے مطابق تقسیم

حکومت کے زیر اہتمام کارخانوں میں جو چیزیں تیار کی جائیں انھیں قوم کے افراد پر ان کی کارکردگی کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ ملک کا کوئی شخص بیکار نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق کام کرے گا اور حکومت اس کی ضرورتوں کو پورا کرے گی۔ ظاہر ہے کہ ہر آدمی کی کچھ فطری ضروریات ہیں۔ بغیر ان کے پورا ہوئے ان کے واسطے زندگی بسر کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ قوم کی فلاح وبہبود کی خاطر کوشش کرے گا اور قوم اس کی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرے گی۔

۳۔ لائحۂ عمل کی تعیین

حکومت کی طرف سے ایک اقتصادی پروگرام کا مرتب ہونا ضروری ہے، ایسے قوم کی ضروریات کی مقدار اور نوعیت کو سمجھنا چاہیئے، تاکہ کارخانے اتنی اور ویسی ہی چیزیں تیار کریں۔ نظام مارکسی ان دونوں چیزوں کی کڑی نگرانی کرتا ہے۔ اگر ان کا لحاظ نہ رکھا جائے تو ملک بعینہٖ انھی دشواریوں اور بیماریوں کا شکار ہو جائے گا جن میں نظام سرمایہ داری نے اسے مبتلا کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تین وہ نمایاں خصوصیتیں ہیں جو نظام مارکسی کو نظام سرمایہ داری سے جدا کرتی ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مارکسیت کے علمبردار حکومت ہاتھ میں آنے کے بعد اسکے نظام کو مکمل طور پر کسی وقت بھی رائج نہیں کر سکے۔ انھیں یقین ہے کہ اس کا منطبق کرنا انسان کے تمام خیالات، جذبات اور محرکات میں انقلاب چاہتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عنقریب وہ خوشگوار زمانہ آئے گا جب انسان کے شخصی محرکات دم توڑیں گے اور جماعتی ذہنیت زندہ ہو کر چونکے گی۔ پھر یہی خود غرض آدمی ہمیشہ قومی مفادات کی بابت سوچے گا اور انہی کے لیے کوشش کرے گا۔ موجودہ ذہنیت سے انسان کو چھٹکارا دلانے کے لیے ضروری ہے کہ مارکسیت کے راستے پر لانے کی غرض سے پہلے اسے اشتراکی نظام کا پابند بنایا جائے۔ اس عبوری دور میں اس کے مزاج اور ذہنیت کو نظام مارکسی کے تحمل کے واسطے تیار کیا جائے گا۔ اشتراکیت' اسی مارکسیت کی اصلاح اور ترمیم شدہ دوسری شکل ہے۔ نظام مارکسی نے ہر چیز کا حق ملکیت قوم کا نمایندہ قرار دے کر حکومت کو دیدیا تھا۔ نظام اشتراکی نے اس میں ترمیم کی۔ اس نے ملک کے اندر بڑے پیمانے پر صنعت اور تجارت کا حق صرف حکومت کو دیا۔ اس کے علاوہ خارجی تجارت بھی بس حکومت کر سکتی ہے مگر چھوٹی چھوٹی صنعتوں اور تجارتوں کے لئے لوگ آزاد ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اشتراکیت بڑی سرمایہ داری کو ختم کر کے چھوٹی سرمایہ داریوں کو باقی رکھتی ہے۔ اس ترمیم اور اصلاح کا اکیلا سبب یہ تھا کہ نظام مارکسی کا اصول انسانی فطرت سے ٹکرا گیا۔ شخصی ملکیت کے ختم کرنے کا انجام یہ ہوا کہ لوگ اپنے فرائض کے پورا کرنے میں پیچھے ہٹنے لگے۔ انھوں نے محنت اور تندہی سے کام کرنا چھوڑ دیا۔ مزدوروں نے خیال کیا کہ حکومت ہماری ضروریات زندگی پورا کرنے کی ذمہ دار ہو چکی ہے۔ ہم جتنی بھی محنت و مشقت کریں ہمیں کوئی مزید فائدہ نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس صورت میں بھی جان کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ جان دے کر کام کریں یا جان بچا کر دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہے۔

جس انسان کی نظر میں اخلاقی اور روحانی قدروں کی کوئی قیمت نہ ہو، جس کے دماغ میں خالص مادیت کے علاوہ کسی دوسری چیز کا تصور نہ ہو وہ دوسروں کے فائدے کی خاطر اپنا خون پسینہ کیوں ایک کرے؟

مارکسیت کے اقتصادی نظام میں دوسری ترمیم یہ ہوئی کہ مزدوروں کی اجرتوں میں فرق رکھا گیا تاکہ وہ دل لگا کر زیادہ کام کریں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بالکل وقتی اور عارضی فرق ہے۔ سرمایہ داری کی پیدا کردہ ذہنیت بدلنے کے بعد یہ تفرقے ختم کر دیے جائیں گے۔ بہت جلد وقت آئے گا کہ انسان بالکل نئے سانچے میں ڈھل جائے گا۔

اپنا دل بہلانے کے لیے یہ خوش آیند توقعات بہت مناسب ہیں، لیکن عملی طور پر یہ ہو رہا ہے کہ نظام مارکسی کے حامی برابر اپنے اقتصادی اور اشتراکی اسلوب میں ترمیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ تبدیلیاں ملک اور قوم کو مارکسیت کے اصولوں سے قریب لا رہی ہوں، بلکہ ان کی رفتار دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دور سے دور تر لیے جا رہی ہیں۔ مارکسیت کا جھنڈا اونچا کرنے والے سرمایہ داری کے بنیادی ستونوں کو نہیں ڈھا سکے۔ سودی قرضوں کی لین دین حکومت نے ممنوع نہیں قرار دی، حالانکہ سرمایہ داری کے اقتصادی نظام میں تمام معاشرتی خرابیوں کی جڑ یہی ہے۔

ایسا ہرگز تصور نہ کرنا چاہیے کہ مارکسی رہنما کسی قسم کی کوتاہی کر رہے ہیں، مارکسی نظام کے جاری اور نافذ کرنے میں وہ پورے طور پر کوشاں نہیں ہیں یا اس کے صحیح ہونے میں انھیں شک ہو گیا ہے، ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ مارکسیت کے سربراہ اپنے عقائد اور نظریات کو نافذ کرنا چاہتے ہیں مگر انسانی فطرت سے پوری قوت کے ساتھ ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ اس کی مسلح فوجیں انقلاب کا راستہ روکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے کھڑی ملتی ہیں۔ اس زبردست ٹکر کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، پھر بھی آرزو یہی دل میں رہتی ہے کہ معاشرتی اصلاح کا یہ پرانا، فرسودہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے۔

مارکسیت کے سیاسی نظام میں حکومت کو دائمی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ جب انسان کے ذہن پر جماعتی ذہنیت پورے طور سے چھا جائے گی، جب وہ اپنے ذاتی مفاد کے بجائے قوم کے اجتماعی مصالح اور مفادات کی بابت سوچنے لگے گا تو حکومت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ نظام مارکسی میں حکومت بس اس وقت تک ہے جب تک انسان کی شخصی اور انفرادی ذہنیت بدلی نہیں ہے، جب تک طبقاتی تفریقیں بالکل ختم نہیں ہوئی ہیں، جب تک ملک میں سرمایہ دار اور مزدور دو الگ الگ طبقے موجود ہیں اس وقت تک حکومت کا حق مزدور طبقہ کو دیا گیا ہے۔ انتخابات اور الکشن جمہوری لائنوں پر ہوں گے۔ مگر ان کا دائرہ مزدوروں میں محدود رہے گا۔ عام لوگوں کو ان میں حصہ لینے کا حق نہیں ہے۔ یہ نظام حکومت محض اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ مزدوروں کے واجبی حقوق کا تحفظ ہو سکے، سرمایہ داری کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکے۔

نظام مارکس اور نظام سرمایہ داری کے درمیان امتیازی فرق یہ ہے کہ مارکسیت اور اشتراکیت کی بنیاد کھلم کھلا مادی فلسفے کے اوپر ہے۔ یہاں زندگی کا بالکل مادی تصور ہے۔ تمام روحانی امور کا صاف صاف انکار ہے۔ نیچر کی حدود کے آگے نہ خالق کی ہستی ہے اور نہ اس دنیا کی محدود زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے۔ مارکسیت اور اشتراکیت انسانی زندگی کے مفہوم اور اس کے لیے کسی نظام زندگی کے تعین کے درمیان وابستگی کا اقرار کرتی ہے۔ اس کے نزدیک بغیر انسانی زندگی کو سمجھے ہوئے اس کے معاشی مسائل کو حل نہیں کیا جا سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ر خود بھی اپنی بلند آوازی پر ہنسی آتی تھی، ایک دن ہنستے ہنستے سنانے لگے: ایک
بہ جامع ازہر، مصر کے ایک استاد یہاں آئے ہوئے اور دارالعلوم کے یہاں قیام
ن مقیم تھے، ایک روز وہ درس گاہوں میں گھومتے پھرتے میری درس گاہ میں بھی
گئے، میں اس وقت سلم العلوم (منطق) کا درس دے رہا تھا، میں نے مصری عالم کو
یش آمدید کہہ کر اپنے پاس بٹھالیا اور درس شروع کر دیا اور جب گھنٹہ بجا اور درس
تم ہوگیا تو موصوف مجھ سے مخاطب ہوئے اور بولے: "یا استاذ واللہ انک لرجل
اضل، ولکنک تجہر جہیر البرق اخاف انک ستکون حمارا" مفتی صاحب
ہ واقعہ سنا کر خود بھی ہنس پڑے اور ہم سب کو بھی ہنسی آگئی۔

جہاں تک مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی کا تعلق ہے اس کے متعلق وہ خود بیان
رتے تھے کہ شروع شروع میں وہ استفتا کا جواب بہت طویل لکھتے تھے جس میں
وافق اور مخالف دلائل اور اخیر میں قول راجح کے دلائل اور ان کی عبارتوں کی
رمار ہوتی تھی، لیکن حضرت مفتی صاحب ایسے تمام جوابات قلم زد کرتے تھے اور
رماتے تھے کہ تمہارا جواب مدلل ہونا چاہئے، ہر عبارت نقل کے لائق نہیں ہوتی،
پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مستفتی تم سے بحث نہیں کر رہا ہے، بلکہ ایک مسئلہ کے
ارے میں صرف ایک حکم شرعی دریافت کر رہا ہے اس لئے تمہارا مطالعہ توسیع اور
میق ہونا ضروری ہے لیکن جواب مختصر ہونا چاہئے جس میں صرف چھنی چھنائی بات
اذکر ہو، مفتی صاحب کہتے تھے: بڑی مشق اور تمرین کے بعد جب مجھ میں یہ صلاحیت
ور استعداد پیدا ہوگئی تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: "ہاں اب تم کو فتویٰ
لکھنا آگیا۔"

نیشنلزم یعنی قوم پروری اور استخلاص وطن کی تڑپ جیسے مفتی صاحب کی گھٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو پایا ان کے معاصرین میں کسی کو نہیں پایا، ان کی طالب علمی کے زمانہ میں طلبا کا ایک قلمی اخبار نکلتا تھا جس کا نام یاد نہیں رہا، اس اخبار کی ایک اشاعت میں مفتی صاحب کا ایک طویل مضمون "سودیشی کی ضرورت" شائع ہوا تھا، میں نے یہ مضمون از اول تا آخر پڑھا، مضمون نہایت مدلل اور بصیرت افروز، پرزور اور شگفتہ و دلکش زبان میں تھا، میرے دماغ پر مفتی صاحب کے حسن تحریر کا پہلا نقش ان کے اسی مضمون کے مطالعہ سے قائم ہوا تھا، انھوں نے اس مضمون میں جو کچھ لکھا تھا اس کے عملی پیکر وہ خود تھے، چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ دارالعلوم کے "شہزادے" یعنی اکابر دیوبند کی اولاد، نہایت عمدہ ململ، چکن کے کرتوں اور چالیس ہزارہ کے لٹھے کے پاجاموں میں ملبوس نظر آتے تھے — مفتی صاحب اس زمانے میں بھی کھدر پہنتے تھے، وضع کے اتنے پابند تھے کہ ایک کرتہ جو زیادہ لانبا نہیں ہوتا تھا بغیر کالر کے ہوتا اور پاجامہ چوڑے پائینچوں کا اور سیدھی کاٹ کا اور دونوں کھدر کے اور کرتہ کے نیچے بنیان وہ بھی کھدر کی عمر بھر ان کا لباس یہی رہا، شیروانی پہنتے تھے مگر وہ بھی دیسی کپڑے کی، اس قسم کے وضعدار خال خال ہی ملیں گے۔

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی میرے ماموں زاد بھائی تھے اور مجھ سے بیحد محبت کرتے تھے، سیوہارہ کے مدرسہ میں تکمیل تعلیم کے بعد دورۂ حدیث کے لیے دیوبند آئے تھے اور جس سال (۱۳۴۵ھ) میں خود دورۂ حدیث کا طالب علم تھا اس سال یہ صحیح بخاری کا سماع کر رہے تھے، اس لئے انھوں مجھ سے کہا:

تم ہمہ تن متوجہ ہو کر حضرت شاہ صاحب (علامہ محمد انور شاہ الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ) کی تقریر سنو اور میں تمہارے لئے وہ تقریر لکھتا رہوں گا، چنانچہ انھوں نے دو موٹی موٹی کاپیاں لکھی تھیں، جنھیں میں حرز جاں بنائے رکھتا تھا، لیکن جب ۱۹۴۷ء میں میرا گھر لٹا تو یہ کاپیاں بھی گئیں:

کر دیا سفاک نے میدان صاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو خود بھی اپنی بلند آوازی پر ہنسی آتی تھی، ایک دن ہنستے ہنستے سنانے لگے کہ ایک مرتبہ جامع الازہر مصر کے ایک استاد یہاں آئے ہوئے اور دار العلوم کے مہمان خانہ میں مقیم تھے، ایک روز وہ درسگاہوں میں گھومتے پھرتے میری درسگاہ میں بھی آگئے، میں اس وقت سلم العلوم (منطق) کا درس دے رہا تھا، میں نے مصری عالم کو خوش آمدید کہہ کر اپنے پاس بٹھالیا اور درس شروع کر دیا اور جب گھنٹہ بجا اور درس ختم ہو گیا تو موصوف مجھ سے مخاطب ہوتے اور بولے: "یا استاذ واللہ انک لرجل فاضل، ولکنک تجھر جھیر البرق احاف انک ستکون حمارا۔" مفتی صاحب یہ واقعہ سنا کر خود بھی ہنس پڑے اور ہم سب کو بھی ہنسی آگئی۔

جہاں تک مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی کا تعلق ہے اس کے متعلق وہ خود بیان کرتے تھے کہ شروع شروع میں وہ استفتا کا جواب بہت طویل لکھتے تھے جس میں موافق اور مخالف دلائل اور اخیر میں قول راجح کے دلائل اور ان کی عبارتوں کی بھرمار ہوتی تھی، لیکن حضرت مفتی صاحب ایسے تمام جوابات قلم زد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارا جواب مافل ودل ہونا چاہیئے، ہر عبارت نقل کے لائق نہیں ہوتی، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مستفتی تم سے بحث نہیں کر رہا ہے، بلکہ ایک مسئلہ کے بارے میں صرف ایک حکم شرعی دریافت کر رہا ہے اس لئے تمہارا مطالعہ تو وسیع اور عمیق ہونا ضروری ہے لیکن جواب مختصر ہونا چاہیئے جس میں صرف چھنی چھنائی بات کا ذکر ہو، مفتی صاحب کہتے تھے: بڑی مشق اور تمرین کے بعد جب مجھ میں یہ صلاحیت اور استعداد پیدا ہو گئی تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: "ہاں اب تم کو فتویٰ لکھنا آگیا۔"

نیشنلزم یعنی قوم پروری اور استخلاص وطن کی تڑپ جیسے مفتی صاحب کی گھٹی میں پڑی تھی، اس معاملہ میں جتنا سنجیدہ فکر اور پختہ خیال میں نے مفتی صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو پایا ان کے معاصرین میں کسی کو نہیں پایا، ان کی طالب علمی کے زمانہ میں طلبا کا ایک قلمی اخبار نکلتا تھا جس کا نام یاد نہیں رہا، اس اخبار کی ایک اشاعت میں مفتی صاحب کا ایک طویل مضمون "سودیشی کی ضرورت" شائع ہوا تھا، میں نے یہ مضمون از اول تا آخر پڑھا، مضمون نہایت مدلل اور بصیرت افروز، پرزور اور شگفتہ و دلکش زبان میں تھا، میرے دماغ پر مفتی صاحب کے حسن تحریر کا پہلا نقش ان کے اسی مضمون کے مطالعہ سے قائم ہوا تھا، انھوں نے اس مضمون میں جو کچھ لکھا تھا اس کے عملی پیکر وہ خود تھے، چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ دارالعلوم کے "شہزادے" یعنی اکابر دیوبند کی اولاد، نہایت عمدہ ململ، چکن کے کرتوں اور چالیس ہزارہ کے لٹھے کے پاجاموں میں ملبوس نظر آتے تھے ـــ مفتی صاحب اس زمانے میں بھی کھدر پہنتے تھے، وضع کے اتنے پابند تھے کہ ایک کرتہ جو زیادہ لانبا نہیں ہوتا تھا بغیر کالر کے ہوتا اور پاجامہ چوڑے پائنچوں کا اور سیدھی کاٹ کا اور دونوں کھدر کے اور کرتہ کے نیچے بنیان وہ بھی کھدر کی عمر بھر ان کا لباس یہی رہا، شیروانی پہنتے تھے مگر وہ بھی دیسی کپڑے کی، اس قسم کے وضعدار خال خال ہی ملیں گے۔

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی میرے ماموں زاد بھائی تھے اور مجھ سے بیحد محبت کرتے تھے، سیوہارہ کے مدرسہ میں تکمیل تعلیم کے بعد دورۂ حدیث کے لیے دیوبند آئے تھے اور جس سال (۲۵ء) میں خود دورۂ حدیث کا طالب علم تھا اس سال یہ صحیح بخاری کا سماع کر رہے تھے، اس لئے انھوں مجھ سے کہا:

تم ہمہ تن متوجہ ہوکر حضرت شاہ صاحب (علامہ محمد انور شاہ الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ) کی تقریر سنو اور میں تمھارے لئے وہ تقریر لکھتا رہوں گا، چنانچہ انھوں نے دو موٹی موٹی کاپیاں لکھی تھیں، جنھیں میں حرزِ جاں بنائے رکھتا تھا، لیکن جب ۴۷ء میں میرا گھر لٹا تو یہ کاپیاں بھی گئیں:

کر دیا سفاک نے میدان صاف

(۳۲۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفتی صاحب کی طرح مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی شروع سے ہی جذبۂ استخلاص وطن و قوم پروری سے سرشار تھے اور ملکی و قومی مسائل و معاملات میں دونوں کے افکار و نظریات میں بڑی ہم آہنگی و یک جہتی تھی، اس پر مستزاد یہ کہ مولانا بڑے فعال و متحرک تھے، ان میں لیڈر بننے کے صفات بدرجہ اتم موجود تھے، ہر کام میں پیش پیش رہتے تھے، اس وجہ سے اور بعض دوسرے اسباب کی وجہ سے بھی مفتی صاحب اور مولانا میں دانت کاٹے کی دوستی تھی، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی (ثم مہاجر مکی) کو ملکی سیاست اور قومی معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی، لیکن وہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، اس لیے مفتی صاحب سے خاص تعلق اور ربط رکھتے تھے، اس طرح ہم چار آدمیوں (مفتی صاحب، مولانا محمد حفظ الرحمٰن، مولانا بدر عالم اور راقم الحروف) کا ایک گروپ بن گیا تھا جو اوقات مدرسہ کے بعد عموماً ایک ساتھ رہتا تھا۔

ہم چاروں عصر کی نماز اکثر حضرت مفتی صاحب کی امامت میں ان کی مسجد میں ادا کرتے تھے، اس مسجد میں دو کمرے تھے، ایک اندرون مسجد اور دوسرا بیرون مسجد، پہلا کمرہ حضرت مفتی صاحب کے لئے مخصوص تھا اور دوسرا مفتی صاحب کی نشست گاہ تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد اگر ٹہلنے یا کہیں جانے کا پروگرام نہ ہوتا تو مغرب تک اسی کمرہ میں نشست رہتی، مسجد میں امامت عموماً تو حضرت مفتی صاحب ہی کرتے تھے، لیکن جہری نماز میں کبھی کبھی وہ مفتی صاحب کو آگے بڑھا دیتے تھے، مفتی صاحب حافظ اور ساتھ ہی قاری تو اول درجہ کے تھے ہی ان کی آواز میں لوچ اور ہلکا ہلکا سا درد بھی غضب کا تھا اس لیے نماز میں بڑا لطف آتا تھا، ایک واقعہ سنیے:

۳۶ء میں ایم اے کا امتحان دلی یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کے بعد مفتی صاحب کی دعوت پر جب میں پہلی بار کلکتہ گیا تو ایک روز مفتی صاحب، مولانا محمد حفظ الرحمٰن اور میں، ہم تینوں عصر کے وقت مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کے لیے بالی گنج میں ان کی کوٹھی پر گئے۔ مولانا حسب معمول بڑے تپاک اور بے تکلفی سے ملے، باتیں کرتے کرتے مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا تو مولانا کے ملازم احمدؔ نے وہیں ڈرائنگ روم ہی میں جانمازیں بچھادیں، مولانا اور ہم باوضو تھے ہی، سیدھے مصلّے پر جا کھڑے ہوئے، اب ہم نے مولانا سے امامت کی درخواست کی، لیکن مولانا نہ مانے اور مفتی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھادیا۔ مفتی صاحب نے سورۃ القارعہ اور سورۃ الہٰکم التکاثر اپنے لحن داؤدی میں تلاوت کیں، سلام پھیرنے کے بعد مولانا آزاد نے دو رکعتیں سنت کی ادا کیں مگر کمال خشوع وخضوع سے، اس کے بعد صوفہ پر بیٹھ گئے، آنکھیں بند کرلیں، ایک اونی چادر جو اوڑھے تھے اس سے اپنے تمام جسم اور آنکھوں کو مستغنی کر کے تمام سر اور چہرہ چھپالیا۔ دس منٹ کے بعد جب آنکھیں کھولیں تو مفتی صاحب کو خطاب کر کے فرمایا: "مولوی صاحب! اگر اصول تجوید کی رعایت کے ساتھ حسن صوت نہ ہو تو مخارج صحیح ادا ہوں گے مگر دل پر اثر نہ ہوگا، اللہ جل شانہٗ کا آپ پر بڑا فضل وکرم ہے کہ تجوید کے ساتھ خوش آوازی کی نعمت سے بھی آپ بہرہ ور ہیں۔ اس لیے آپ کی قرارت دل کے دروازہ پر دستک دیتی ہے"

ایک مرتبہ اس مسجد میں بڑا عجیب وغریب واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ ہم چاروں نے حسب معمول عصر کی نماز مسجد میں حضرت مفتی صاحب کی امامت میں ادا کی، ایک بنگالی طالب علم تھا وہ بھی کم از کم عصر کی نماز تو اسی مسجد میں پڑھتا تھا، آج اس نے یہ کیا کہ نماز کا سلام پھرتے ہی کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: "حضرات! اب میں دیوبند سے جارہا ہوں، آپ میرے لیے دعا کریں کہ میرا خاتمہ بخیر اور اسلام پر ہو" جب دعا ختم ہوگئی تو حضرت مفتی صاحب اس طالب علم کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: "تم کہاں جارہے ہو؟" اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا: "تھانہ بھون" کیوں؟ حضرت مفتی صاحب نے دریافت فرمایا، "حضرت تھانوی مدظلہ العالی سے تصوف کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے" طالب علم نے جواب دیا۔ یہ سنتے ہی حضرت مفتی صاحب کو غصہ آگیا اور سخت لہجہ میں فرمایا: مولانا اشرف علی کو صوفی کون کہتا ہے، انھیں تصوف سے کیا واسطہ! حضرت مفتی صاحب کے یہ الفاظ بہ ظاہر بہت سخت اور حیرت انگیز ہیں، لیکن ان کی وضاحت واقعہ ذیل سے ہوگی:

اس واقعہ کے چھ سات برس کے بعد جب میں مدرسۂ عالیہ مسجد فتحپوری دہلی میں تھا، ایک روز میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ باتوں باتوں میں حضرت تھانوی کا ذکر نکل آیا تو میں نے یہ واقعہ سنایا، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اسے سنتے ہی ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے اور گردن جھکالی تھوڑی دیر کے بعد گردن اٹھائی، .... اور تاثراتی لہجہ میں فرمایا: "میاں سعید! کیا یہ واقعہ سچا اور تمہارا عینی مشاہدہ ہے؟" میں نے عرض کیا: جی ہاں! اس وقت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بھی موجود تھے، یہ دونوں حضرات تو یہیں دلی میں موجود ہیں، آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔" یہ سن کر فرمایا: اگر یہ واقعہ صحیح ہے ــــ اور جب تم کہہ رہے ہو تو یقیناً صحیح ہی ہے۔ تو آج میرے دل کی ایک پرانی گرہ کھل گئی اور اس کی تفصیل یہ ہے: تحریک خلافت اور اس کے ضمن میں تحریک ترک موالات بڑے زوروں پر تھی اور جمعیت علمائے ہند کے زیر قیادت بڑی کامیابی سے چل رہی تھی، لیکن مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اس تحریک میں نہ صرف یہ کہ شریک نہیں ہوئے، بلکہ اس کی مخالفت میں فتویٰ دیا۔ جمعیت علمائے ہند نے اس کا سخت نوٹس لیا اور طے کیا کہ جمعیت کا ایک ممبر مختصر وفد تھانہ بھون پہونچ کر براہ راست مولانا سے گفتگو کرے، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تین نام منظور ہوئے : (۱) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (۲) مولانا احمد سعید دہلوی اور (۳) میں (حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ) ہم تینوں تھانہ بھون پہونچے اور تین روز تک وہاں مقیم رہے، مولانا سے ہم لوگوں کی گفتگوؤں کا جو حشر ہوا وہ تو سب کو معلوم ہے، دراصل سنانا یہ ہے کہ ایک دن ہم مولانا کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا، مولانا تھانوی اس کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: حضرت! میں مظاہر العلوم کا ایک طالب علم ہوں، حضرت سے استفادۂ باطنی کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، مولانا نے پوچھا کیا تم نے پہلے سے خط کے ذریعہ اس کی اجازت لی ہے، یہ شخص بولا: جی نہیں، اس پر مولانا نے برہم ہو کر کہا کہ تم اٹھ جاؤ، مگر وہ نہیں اٹھا، مولانا نے پھر کہا جاؤ مگر وہ پھر بھی بیٹھا رہا، اس پر مولانا کے پاس ایک رسی کا بنا ہوا سونٹا رکھا رہتا تھا اس سے مولانا نے اس کو مارنا شروع کیا مگر یہ شخص اتنا ڈھیٹ تھا کہ پٹتا رہا مگر مجلس سے نہیں اٹھا، مولانا نے اس کو اتنا مارا کہ ہم سب کو رحم آگیا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ مولانا تھانوی سب کچھ ہو سکتے ہیں لیکن صوفی نہیں ہو سکتے۔

اس واقعے کو سنانے کے بعد مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نے فرمایا کہ میری دل کی آواز عجیب و غریب تھی اس لیے میں نے اس کا کسی سے تذکرہ نہیں کیا اور اپنا احساس اپنے ہی تک محدود رکھا لیکن اب تم نے حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کا واقعہ جو سنایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس احساس میں تنہا میں ہی نہیں ہوں بلکہ حضرت مفتی صاحب بھی اس میں شریک ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صوفیائے کرام خلق خدا کے لیے سراپا رحم و کرم اور مجسمہ شفقت و محبت ہوتے تھے، ان کی خانقاہوں کا دروازہ ہر وقت ہر شخص کے لیے کھلا رہتا تھا، ان کے یہاں آنے جانے والوں پر کسی قسم کی کوئی پکڑ دھکڑ یا دار و گیر کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضابطہ نہیں تھا، اس کے برخلاف حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مسترشدین کے لیے خاص خاص شرائط اور ضوابط تھے اور جو کوئی شخص ان شرائط وضوابط میں سے کسی ضابطے کی خلاف ورزی کرتا تھا وہ مورد عتاب ہوتا تھا۔ اس فرق کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر صوفی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ خود حضرت تھانوی نے متعدد جگہ لکھا ہے کہ میں نہ صوفی ہوں نہ پیر بلکہ میں ایک معلّم اور مصلح ہوں، جو شخص میرے پاس آتا ہے میں اس کے لیے اصلاح وتربیت کا کام کرتا ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحیثیت معلّم ومصلح اصلاح نفس، اصلاح عقائد، اصلاح معاملات ورسوم اور اصلاح عبادات واخلاق کے سلسلے میں جو نہایت عظیم الشان علمی اور عملی کارنامے انجام دئے ہیں ان کے پیش نظر ان کو اس صدی کا مجدد بے تکلف کہا جا سکتا ہے اس بنا پر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کو صرف ایک لفظی اصطلاح کا فرق سمجھنا چاہیئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں ان کے کردار اور معیار کے مطابق نمبر جلد شائع ہونے جا رہا ہے۔ ایڈیٹر صاحب برہان کی طویل علالت کی وجہ سے اس میں غیر معمولی تاخیر ہو رہی ہے۔ آپ حضرت مفتی صاحبؒ کے سلسلے میں مضامین بلا تاخیر بھیجئے اور مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایڈیٹر رسالہ برہان کے لئے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

منیجر رسالہ برہان
عبدالرحمٰن عثمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام

سید کاظم نقوی، ریڈر شعبہ دینیات شیعہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۳)

اشتراکیت اور مارکسیت

کمیونزم اشتراکیت کی قسموں میں سب سے مشہور ہے۔ اس کی پوری عمارت "مادیت جدلی" (MATERLISTIC DIALECTICS) کے اصول اور نظریات پر تیار کی گئی ہے۔ باخبر اشخاص جانتے ہیں کہ یہ نظریات کارل مارکس اور ان کے رفقاء کار کے قیمتی اور قابل قدر، طویل غور و خوض کا نتیجہ نہیں ہیں۔ انھوں نے تاریخ، سماجیات اور اقتصادیات پر صرف ان کو منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔

فی الحال مختصر طور سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مارکسی نظام انسان کے سماجی اور مشکلات کو نہیں حل کر سکا۔ اس نے مرض کی صحیح تشخیص نہیں کی، اسی لیے وہ صحیح دوا تجویز نہیں کر سکا۔

نظام مارکسی کے مندرجۂ ذیل خصوصیات ہیں:

۱۔ شخصی ملکیت کا خاتمہ

شخصی ملکیت کو بالکل ختم کر کے تمام دولت قوم کی ملکیت قرار دیدینا چاہیئے یعنی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ قوم کی نمائندہ ہے لہٰذا دولت اس کے سپرد کردی جائے گی وہ پوری قوم کے سود و زیاں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں تصرف کرے گی۔ کمیونزم کے حامیوں کا کہنا ہے کہ سرمایہ داری کے دور میں انسانیت کو شخصی ملکیت کے جن تلخ نتائج سے دوچار ہونا پڑا وہ ہر شخص کے سامنے ہیں۔ ان سے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ حق ملکیت افراد سے چھین کر حکومت کو دیدیا جائے۔ اس کا مقصد طبقاتی تفریق مٹا کر پوری قوم کو ایک طبقہ کی شکل میں تبدیل کرنا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے لئے اس کا موقع نہیں رہے گا کہ ہر قسم کے جائز اور ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹیں۔ اپنے شخصی فائدے کی خاطر دوسروں کا خون چوسیں۔

۲۔ کارکردگی کے مطابق تقسیم

حکومت کے زیر اہتمام کارخانوں میں جو چیزیں تیار کی جائیں انھیں قوم کے افراد پر ان کی کارکردگی کے مطابق تقسیم کردیا جائے گا۔ ملک کا کوئی شخص بیکار نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق کام کرے گا اور حکومت اس کی ضرورتوں کو پورا کرے گی۔ ظاہر ہے کہ ہر آدمی کی کچھ فطری ضروریات ہیں۔ بغیر ان کے پورا ہوئے ان کے واسطے زندگی بسر کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ قوم کی فلاح و بہبود کی خاطر کوشش کرے گا اور قوم اس کی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرے گی۔

۳۔ لائحۂ عمل کی تعیین

حکومت کی طرف سے ایک اقتصادی پروگرام کا مرتب ہونا ضروری ہے، اسے قوم کی ضروریات کی مقدار اور نوعیت کو سمجھنا چاہیئے، تاکہ کارخانے اتنی اور ویسی ہی چیزیں تیار کریں۔ نظام مارکسی ان دونوں چیزوں کی کڑی نگرانی کرتا ہے۔ اگر ان کا لحاظ نہ رکھا جائے تو ملک بعینہٖ انھی دشواریوں اور بیماریوں کا شکار ہو جائے گا جن میں نظام سرمایہ داری نے اسے مبتلا کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تین وہ نمایاں خصوصیتیں ہیں جو نظام مارکسی کو نظام سرمایہ داری سے جدا کرتی ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مارکسیت کے علمبردار حکومت ہاتھ میں آنے کے بعد اسکے نظام کو مکمل طور پر کسی وقت بھی رائج نہیں کرسکے۔ انھیں یقین ہے کہ اس کا منطقی کرنا انسان کے تمام خیالات، جذبات اور محرکات میں انقلاب چاہتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عنقریب وہ خوشگوار زمانہ آئے گا جب انسان کے شخصی محرکات دم توڑ دیں گے اور جماعتی ذہنیت زندہ ہوکر چونکے گی۔ پھر یہی خودغرض آدمی ہمیشہ قومی مفادات کی بابت سوچے گا اور انہی کے لیے کوشش کرے گا۔ موجودہ ذہنیت سے انسان کو چھٹکارا دلانے کے لیے ضروری ہے کہ مارکسیت کے راستے پر لانے کی غرض سے پہلے اسے اشتراکی نظام کا پابند بنایا جائے۔ اس عبوری دور میں اس کے مزاج اور ذہنیت کو نظام مارکسی کے تحمل کے واسطے تیار کیا جائے گا۔ اشتراکیت' اسی مارکسیت کی اصلاح اور ترمیم شدہ دوسری شکل ہے۔ نظام مارکسی نے ہر چیز کا حق ملکیت قوم کا نمایندہ قرار دے کر حکومت کو دیدیا تھا۔ نظام اشتراکی نے اس میں ترمیم کی۔ اس نے ملک کے اندر بڑے پیمانے پر صنعت اور تجارت کا حق صرف حکومت کو دیا۔ اس کے علاوہ خارجی تجارت بھی بس حکومت کرسکتی ہے مگر چھوٹی چھوٹی صنعتوں اور تجارتوں کے لئے لوگ آزاد ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اشتراکیت بڑی سرمایہ داری کو ختم کرکے چھوٹی سرمایہ داریوں کو باقی رکھتی ہے۔ اس ترمیم اور اصلاح کا اکیلا سبب یہ تھا کہ نظام مارکسی کا اصول انسانی فطرت سے ٹکرا گیا۔ شخصی ملکیت کے ختم کرنے کا انجام یہ ہوا کہ لوگ اپنے فرائض کے پورا کرنے میں پیچھے ہٹنے لگے۔ انھوں نے محنت اور تندہی سے کام کرنا چھوڑ دیا۔ مزدوروں نے خیال کیا کہ حکومت ہماری ضروریات زندگی پورا کرنے کی ذمہ دار ہوچکی ہے۔ ہم جتنی بھی محنت و مشقت کریں ہمیں کوئی مزید فائدہ نہیں ہوسکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس صورت میں انہیں جان کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ جان دے کر کام کریں یا جان بچا کر دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک سا ہے۔

جس انسان کی نظر میں اخلاقی اور روحانی قدروں کی کوئی قیمت نہ ہو، جس کے دماغ میں خالص مادیت کے علاوہ کسی دوسری چیز کا تصور نہ ہو وہ دوسروں کے فائدہ کی خاطر اپنا خون پسینہ کیوں ایک کرے؟

مارکسیت کے اقتصادی نظام میں دوسری ترمیم یہ ہوئی کہ مزدوروں کی اجرتوں میں فرق رکھا گیا تاکہ وہ دل لگا کر زیادہ کام کریں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بالکل وقتی اور عارضی فرق ہے۔ سرمایہ داری کی پیدا کردہ ذہنیت بدلنے کے بعد یہ تفرقے ختم کر دیے جائیں گے۔ بہت جلد وقت آئے گا کہ انسان بالکل نئے سانچے میں ڈھل جائے گا۔

اپنا دل بہلانے کے لیے یہ خوش آیند توقعات بہت مناسب ہیں، لیکن عملی طور پر یہ ہو رہا ہے کہ نظام مارکسی کے حامی برابر اپنے اقتصادی اور اشتراکی اسلوب میں ترمیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ تبدیلیاں ملک اور قوم کو مارکسیت کے اصولوں سے قریب لا رہی ہوں، بلکہ ان کی رفتار دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دور سے دور تر لیے جا رہی ہیں۔ مارکسیت کا جھنڈا اونچا کرنے والے سرمایہ داری کے بنیادی ستونوں کو نہیں ڈھا سکے۔ سودی قرضوں کی لین دین حکومت نے ممنوع نہیں قرار دی، حالانکہ سرمایہ داری کے اقتصادی نظام میں تمام معاشرتی خرابیوں کی جڑ یہی ہے۔ ایسا ہرگز تصور نہ کرنا چاہیے کہ مارکسی رہنما کسی قسم کی کوتاہی کر رہے ہیں، مارکسی نظام کے جاری اور نافذ کرنے میں وہ پورے طور پر کوشاں نہیں ہیں یا اس کے صحیح ہونے میں انھیں شک ہو گیا ہے، ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ مارکسیت کے سربراہ اپنے عقائد اور نظریات کو نافذ کرنا چاہتے ہیں مگر انسانی فطرت سے پوری قوت کے ساتھ ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ اس کی مسلح فوجیں انقلاب کا راستہ روکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے کھڑی ملتی ہیں۔ اس زبردست ٹکر کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، پھر بھی آرزو یہی دل میں رہتی ہے کہ معاشرتی اصلاح کا یہ پرانا، فرسودہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوجائے۔

مارکسیت کے سیاسی نظام میں حکومت کو دائمی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ جب انسان کے ذہنوں پر جماعتی ذہنیت پورے طور سے چھا جائے گی، جب وہ اپنے ذاتی مفاد کے بجائے قوم کے اجتماعی مصالح اور مفادات کی بابت سوچنے لگے گا تو حکومت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ نظام مارکسی میں حکومت بس اس وقت تک ہے جب تک انسان کی شخصی اور انفرادی ذہنیت بدلی نہیں ہے، جب تک طبقاتی تفریقیں بالکل ختم نہیں ہوئی ہیں، جب تک ملک میں سرمایہ دار اور مزدور دو الگ الگ طبقے موجود ہیں اس وقت تک حکومت کا حق مزدور طبقہ کو دیا گیا ہے۔ انتخابات اور الکشن جمہوری لائنوں پر ہوں گے۔ مگر ان کا دائرہ مزدوروں میں محدود رہے گا۔ عام لوگوں کو ان میں حصہ لینے کا حق نہیں ہے۔ یہ نظام حکومت محض اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ مزدوروں کے واجبی حقوق کا تحفظ ہوسکے، سرمایہ داری کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکے۔

نظام مارکس اور نظام سرمایہ داری کے درمیان امتیازی فرق یہ ہے کہ مارکسیت اور اشتراکیت کی بنیاد کھلم کھلا مادی فلسفے کے اوپر ہے۔ یہاں زندگی کا بالکل مادی تصور ہے۔ تمام روحانی امور کا صاف صاف انکار ہے۔ نیچر کی حدود کے آگے نہ خالق کی ہستی ہے اور نہ اس دنیا کی محدود زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے۔ مارکسیت اور اشتراکیت انسانی زندگی کے مفہوم اور اس کے لیے کسی نظام زندگی کے تعین کے درمیان وابستگی کا اقرار کرتی ہے۔ اس کے نزدیک بغیر انسانی زندگی کو سمجھے ہوئے اس کے معاشی مسائل کو حل نہیں کیا جاسکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مارکسی نظام اپنی اس خصوصیت کی بنا پر اس کا حقدار ہے کہ اس کی بابت فلسفیانہ انداز سے گفتگو کی جائے۔ جن علمی ستونوں پر اس کی عمارت بلند ہوئی ہے ان کا جائزہ لیا جائے۔ کسی نظام کے صحیح یا غلط ہونے کا تعلق ان بنیادی مفاہیم اور نظریات کی صحت اور عدم صحت سے ہے جن کی روشنی میں اسے مرتب کیا گیا ہے۔ نظام مارکسی پر ایک ہلکی اور سرسری نگاہ بھی یہ بتا دیتی ہے کہ یہاں افراد اور اشخاص کو جماعت میں گم کر دیا گیا ہے۔ قومی مصلحتوں کے مقابل شخصی مصلحتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ نظام مارکسی کی رفتار سرمایہ دارانہ نظام کی بالکل مخالف سمت میں ہے۔ وہاں لوگوں کے خصوصی مفادات پر نظر ہے اور یہاں قوم کے اجتماعی فائدوں پر۔ ان دونوں نظاموں میں فرد اور قوم کو ایک دوسرے کا دشمن فرض کیا گیا ہے جن کے درمیان کسی نقطہ پر اتحاد اور صلح ممکن نہیں ہے۔ نظام سرمایہ داری نے فرد کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ نظام اور قانون کی تشکیل و تدوین میں اس کے ذاتی فائدوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس بیجا طرفداری نے پوری قوم کو زلزلہ خیز اقتصادی دشواریوں میں مبتلا کر دیا۔ نظام مارکسی نے قوم کو سارے حقوق دیدیے۔ اس کے نزدیک افراد اور اشخاص کسی احترام اور رعایت کی حقدار نہیں ہیں۔ ان کی تمام آزادیاں پامال ہوگئیں۔ ان کے قلم اور زبان تک پر پہرے بٹھا دیے گئے۔ وہ اپنے افکار و تصورات کے پرچار کے لیے بھی آزاد نہیں ہیں۔

کمیونزم کی غلط اندیشیاں

یہ صحیح ہے کہ کمیونزم نے شخصی مالکیت کو بالکل ممنوع قرار دے کر سرمایہ داری کے پیدا کردہ بہت سے امراض کو دور کر دیا، لیکن بدقسمتی سے یہ علاج اور دوسری حیثیتوں سے انسانیت کے لیے بڑا مہنگا اور نقصان رساں ثابت ہوا۔ اس نے انسان کے قلب اور روح کے تقاضوں کو بڑا صدمہ پہونچایا۔ اس کے ہاتھ پیروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو جکڑ کر بالکل اپاہج اور مجبور بنا دیا۔ شخصی ملکیت کی جگہ جماعتی ملکیت نے لے کر انسان کی ساری آزادیوں کا سر کچل ڈالا۔ علم النفس کے ماہرین کے فیصلے کے مطابق یہ ہولناک زبردست معاشی تبدیلی انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ مادہ پرست انسان ہمیشہ اپنے شخصی مفاد کے بارے میں سوچتا اور ہر چیز اسی محدود انفرادی عینک سے دیکھتا ہے۔ کمیونزم ایک ایسا معاشی نظام ہے جس میں افراد کو جماعتوں کے اوپر بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔ اس کے جاری اور نافذ کرنے کے لئے ایک زبردست اور دبنگ طاقت کی ضرورت ہے جس کے فولادی ہاتھوں میں باگ ڈور ہے۔ وہ اس نظام کی ہر مخالف آواز کو دبا دے۔ اس کے مقابل اٹھنے والی ہر تحریک کو قوت سے کچلے۔ نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے تمام ذرائع اپنے قابو میں رکھے۔ عام افرادِ ملک کے لیے ایک مختصر دائرہ بنا دے جس سے باہر نکلنا جرم ہو۔ اگر کسی کے متعلق مخالفت کا کمزور سا شبہ بھی ہو تو سخت سے سخت سزا دینے میں پس و پیش نہ کرے، ورنہ ممکن ہے کہ اچانک زمام اقتدار اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ ظاہر ہے کہ جو نظام لوگوں کے فطری رجحانات کے خلاف، زبردستی ان پر لادا جائے گا وہ ایسی ہی باتوں کا تقاضہ اور مطالبہ کرے گا۔

بے شک اگر یہی مادہ پرست انسان سماجی مصلحتوں کی لائنوں پر سوچنے لگے، اگر اس کے تمام ذاتی رجحانات، شخصی میلانات، انفرادی محرکات دب جائیں تو آسانی سے اسے ایک ایسے نظام کا پابند بنایا جا سکتا ہے جس کی جہنمی بھٹی میں انسان کے شخصی مفادات کو پگھلا ڈالا گیا ہو۔

سوچیے کہ خالص مادہ پرست انسان جو دنیا کی اس محدود زندگی کے سوا کسی دوسری زندگی کا قائل نہیں ہے جس کی نظر میں ان مادی قوتوں کے علاوہ لذت کا کوئی اور مفہوم نہیں ہے، کیونکر ایک خالص جماعتی نظام کو بآسانی قبول کر سکتا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مارکسیت کے حامی اس دن کے انتظار میں وقت کی گھڑیاں گن گن کر گذار رہے ہیں جب انسان اپنے شخصی رجحانات کی کینچلی اتار کر جماعتی تصورات کا چولا پہن کر دوبارہ پیدا ہوگا۔ یہ انتظار ان روشن دماغ مفکرین سے کتنا تعجب خیز ہے جو اخلاقی اور مذہبی اقدار کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتے بلکہ سرے سے ان کے حقیقی اور مستقل وجود ہی کے منکر ہیں ؟!

بہرحال جب تک انسان کی خود غرضانہ ذہنیت نئے سانچوں میں نہ ڈھلے اس وقت تک نظام مارکسی کا نافذ ہونا یہ چاہتا ہے کہ اس کی تحریر اور تقریر پر مکمل پابندی عائد کر دی جائے۔ ہمیشہ ایسا طبقہ برسر اقتدار رہنا چاہیے۔ جو اس نظام کے صحیح ہونے پر ایمان رکھتا ہو۔ جو انسان کے موجودہ فطری اور نفسانی محرکات کو اپنی من مانی کارروائیوں کے لیے آزاد نہ چھوڑے۔

یہ صحیح ہے کہ اس نظام کے سایہ میں تمام لوگوں کی ضروریات زندگی اطمینان سے پوری ہو جائیں گی، لیکن زندگی کے اور دوسرے حقوق سے انھیں محروم کر دیا جائے گا۔ بہتر ہوتا کہ اس معاشی خوش حالی کے ساتھ انھیں آزادی کی کھلی فضا میں سانس لینے کا بھی موقع مل جاتا۔ انھیں اپنی شخصیت اور انفرادیت کو جماعت کے بھاڑ میں مجبوراً نہ جھونکنا پڑتا۔ انھیں ہاتھ پیر باندھ کر زبردستی قومی مصلحتوں کے تھپیڑے مارتے ہوئے سمندر میں نہ ڈبو دیا جاتا۔ بھلا وہ آدمی زندگی کے کسی شعبے میں کیا آزادی محسوس کر سکتا ہے جس کی معیشت اور گذر بسر ایک معیّن اور مخصوص جماعت کے ہاتھوں میں ہو؟ حالانکہ معاشی اور اقتصادی آزادی ہی تمام دوسری آزادیوں کا سنگ بنیاد ہے۔

کہا جاتا ہے کہ لوگ زبردست اقتصادی بدحالی اور تباہ کن معاشی مشکلات میں مبتلا رہ کر تحریر اور تقریر کی آزادی لے کر کیا کریں گے؟ انھیں کھانے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوراک، پہننے کے لیے پوشاک، رہنے کے لیے گھر چاہیئے۔ قلم اور زبان کی آزادی کا بس یہ نتیجہ ہے کہ وہ حکومت پر سخت سے سخت نکتہ چینی اور اپنے خیالات کی تبلیغ اور اشاعت کر سکیں گے۔ اس سے انھیں کونسا بڑا فائدہ پہونچ جائے گا؟

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے روشن خیال کمیونسٹ طبقہ کی نظر بس سرمایہ داری پر ہے۔ وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ نظام مارکسی کے مقابل معاشی میدان میں صرف سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ انھوں نے اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لی ہیں کہ ان دونوں سے مکمل اور ہمہ گیر ایک تیسرا نظام اسلام موجود ہے۔ کمیونسٹوں نے لوگوں کے شخصی حقوق کو قومی مفاد کے لیے خطرناک سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا۔ انصاف اور دانشمندی کا تقاضا تھا کہ حتی الامکان کسی انسانی حق کو ضائع نہ کیا جائے۔ انسان کے مادی حقوق کے علاوہ کچھ خالص غیر مادی حقوق بھی ہیں۔ کامیاب معاشی نظام وہ ہے جس میں ان دونوں کا لحاظ کیا جائے۔

کمیونزم، سرمایہ داری اور اسلام اپنے اپنے نظام کی روشنی میں انسان کے تین مختلف الشکل خاکے پیش کرتے ہیں۔ ایک وہ انسان جس کی تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں سے دوسرے فائدے اٹھا رہے ہیں۔ اسے اپنے کام کا صحیح، منصفانہ معاوضہ نہیں ملتا۔ اس کی آمدنی ضروریات زندگی کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ وہ ایک غیر مطمئن، ناخوشگوار، محرومی اور مایوسی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کے مقابل دوسرا انسان کھڑا ہوا ہے جس سے بات بات پر بازپرس ہو رہی ہے۔ ہر ہر منٹ پر دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ ہر وقت بغیر کسی پوچھ گچھ کے پھانسی، جلاوطنی اور جیل جانے کا دھکا لگا ہوا ہے۔ ہمہ وقت کے خوف و ہراس نے اس کی زندگی تلخ کر دی ہے۔ ان دونوں کے مقابل ایک تیسرا انسان تصور کے گوشۂ دکنار میں کھڑا مسکرا رہا ہے۔ اس کے چہرے پر معاشی اطمینان کی رونق ہے۔ اس کے دامن میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انفرادی حقوق کی دولت ہے۔ اس کی فکر آزاد، اس کا قلم آزاد، زبان آزاد ہے۔ یہ ہے وہ خوش قسمت انسان جو اسلامی نظام کے سایہ میں زندگی بسر کر رہا ہے۔

حقیقی سرچشمہ تلاش کیجئے

یہ بات بڑی مایوس کن ہے کہ نظام مارکسی انسان کے ان شخصی حقوق کا بری طرح گلا گھونٹنے کے بعد بھی اس کی معاشی مشکلات کو پورے طور پر حل نہیں کر سکا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نظام کی پشت پر بلند ترین انسانی احساسات اور جذبات کارفرما ہیں جنھیں سرمایہ داری کی عام تباہ کاریوں نے ابھارا ہے۔ انہی احساسات کی تحریک سے بعض مفکرین نے معاشی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی، لیکن افسوس انھوں نے مرض کی تشخیص میں غلطی کی، وہ صحیح اسباب مرض نہیں معلوم کر سکے۔ لہذا علاج میں کامیاب نہیں ہوئے۔

سرمایہ داری کی تباہ کاریوں کا سرچشمہ شخصی ملکیت نہیں ہے۔ دنیا کے امن و امان، انسان کی خوش حالی اور راحت و آسائش کو شخصی ملکیت نے نہیں لوٹا ہے۔ لاکھوں مزدوروں کو شخصی ملکیت نے بیکار اور بے روزگار نہیں بنایا ہے۔ صنعتی انقلاب کے موقع پر ہزاروں چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کو جدید صنعتی آلات سے کام لے کر شخصی ملکیت نے تباہ نہیں کیا ہے۔ مزدوروں کی اجرتوں میں ناانصافی، ان کی محنتوں اور مشقتوں کی ناقدری انفرادی ملکیت نے نہیں کی ہے۔ ہمیں پتہ ہے کہ سرمایہ دار بازار کا بھاؤ نہ گھٹنے کی غرض سے اپنے کارخانوں کی تیار کی ہوئی چیزوں کا بڑا حصہ تلف کر دیتے ہیں۔ وہ بلا محنت و مشقت کے سودی قرضوں کے ذریعہ اپنی دولت بڑھاتے اور بیدردی سے ضرورتمند قرضداروں کا خون چوستے ہیں۔ سرمایہ دار ضرورت کی تمام چیزوں کو بازار سے خرید کے اپنے پاس اکٹھا کر لیتے اور قیمتیں چڑھا کر فروخت کرتے ہیں، وہ اپنے جذبۂ حرص و ہوس کی تحریک سے زیادہ مال تیار کرتے اور ملک کے اندر اس کی کھپت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہائی پر انھیں دوسرے ملکوں میں نئے بازاروں کی فکر ہوتی ہے۔ یہ تمام حقیقتیں ناقابل انکار ہیں، لیکن ان کا سبب شخصی ملکیت نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ظالم کسی مظلوم کا گلا چھری سے کاٹتا ہے مگر قانون مجرم چھری کو نہیں قرار دیتا، مستوجب سزا وہی سنگدل ظالم سمجھا جاتا ہے۔

یہ تمام ہولناک، تباہ کن مصیبتیں انفرادی ملکیت کی لائی ہوئی نہیں ہیں۔ ان کی پیدائش اس مادی اور خالص مادی مصلحت کے پیٹ سے ہوئی ہے جسے سرمایہ دارانہ نظام نے انسان کی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ اس کی نظر میں ہر قسم کے اقدامات اور تصرفات کے جواز کا معیار مادی مصلحت اور فائدہ ہے۔ جس معاشرے کی عمارت مادی فائدوں کی بنیاد پر بلند ہوئی ہو اس میں انہی نتائج کی توقع ہے۔ یہ ناانصافیاں اور بربادیاں صرف مادی فائدوں پر نظر سے پیدا ہوئی ہیں، شخصی ملکیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ انسان کی تمدنی اور سیاسی مشکلات کا حل اسی وقت نکل سکتا ہے جب اس کے اقدام اور عمل کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار بدل دیا جائے۔ مادیات کی چہاردیواری سے باہر انسانی فطرت کے مطابق ایک جدید مقصد معین کرنے کی ضرورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نظام سرمایہ داری نے جس خیال کی بنیاد پر مادی مصلحت کو معیار اور زندگی کا حقیقی مقصد قرار دیا ہے وہی تمام معاشرتی اور اقتصادی مصیبتوں کی جڑ ہے۔ اسی نے سرمایہ داری کو انسان کے خوش حال اور مطمئن بنانے میں ناکامیاب کیا ہے۔ اس خیال اور تصور کے ذہن انسانی سے نکال کر دور پھینک دینے کے بعد قوم کے حق اور اس کی آزادی کا تحفظ ہو جائے گا۔ پھر شخصی ملکیت ایک تمدنی اور اقتصادی لعنت کے بجائے انسان کے فلاح و بہبود کا ذریعہ اور صنعتی، تجارتی میدانوں میں اس کی ترقی کا ذریعہ بن جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرمایہ داری کے اس زبردست قلعہ کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ انسانی زندگی ایک محدود مادی چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ہر شخص اسی مادی اور دنیوی زندگی کو اپنی دوڑ دھوپ کا اکیلا میدان سمجھے گا۔ جب اس کا مقصد یہ ہوگا کہ میں اپنے تمام اقدامات اور تصرفات کے لیے مکمل آزادی کا حقدار ہوں، جب وہ اس بات کا یقین رکھے گا کہ میری زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ مادی لذتوں کا سامان مہیا کرنا ہے، جب ان خالص مادی خیالات پر انسان کے جذبۂ حبِّ نفس کا اضافہ ہو جائے گا تو وہ بعینہٖ انہی راہوں پر بڑھے گا جن پر سرمایہ دار چل چکے ہیں۔ وہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے وہی وسائل اختیار کرے گا جو سرمایہ داروں نے اختیار کیے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی جابر اور زبردست طاقت اس کو ان آزادیوں سے محروم رکھے اور کسی مخصوص لائحۂ عمل کا زبردستی پابند بنا دے۔

جذبۂ حبِّ نفس کیا کہتا ہے؟

حبِّ نفس کے جذبے سے زیادہ ہمہ گیر، قدیم اور طاقتور کوئی دوسرا فطری جذبہ موجود نہیں ہے۔ تمام دوسرے جذبات اسی کی پھیلی ہوئی مختلف شاخیں ہیں۔ حبِّ نفس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے لیے راحت و آسائش کو پسند کرتا اور زحمت و تکلیف کو ناپسند کرتا ہے۔ یہی حبِّ نفس اس کو روزی کمانے اور غذائی مادی ضروریات کی فراہمی پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی حبِّ نفس کے اشارے سے انسان کبھی خودکشی کر ڈالتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اس کی نظر میں موت کی تکلیف سہہ لینا آسان اور آلامِ زندگی کا برداشت کرنا دشوار ہوتا ہے۔

اس وضاحت سے پتہ چلا کہ تمام انسانی افکار و اعمال کا حقیقی محرک حبِّ نفس ہے جس کی تعبیر حبِّ لذت اور بغضِ الم سے بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ انسان دوسروں کو خوش حال اور مطمئن بنانے کی خاطر خود محنت و مشقت کی تلخیوں سے اپنا منہ

© rasailojaraid.com